قول شاذ پر فتوی کے اصول اور معاصر مالیاتی مسائل میں ان کا تطبیقی و تنقیدی جائزہ

THE RULES OF FATWA ON A SINGLE WERDICT AND ITS APPLICATION ON THE CONTEMPORARY FINANCIAL ISSUES: A CRITICAL STUDY

ڈاکٹر عبد الرزاق*

Abstract:
Muslim jurists have been deriving [the answers of] every type of new issues on the basis of their own independent legal judgment, in the light of the permanent and eternal principles of the Quran and Sunnah. For such issues, i.e. the ones that are based on independent judgment, it is natural that there be difference of opinion between the jurists, and we find instances even during the period of the Prophet ﷺ and his companion. Now the question is, when the jurists dissent, which legal opinion should be taken to act upon it? This question definitely exists for the common person, but it is for the Muftis that it is most imperative today, that due to some change in circumstances, or to remove some difficulty, in the issues in which there are differences of opinion, which legal opinion should be chosen? In this regard, the jurists have written with much detail.
Over here the only question that we are examining is that, if the majority of legists (fuqaha') have consensus on a certain issue, and there are one or a few legists with a different opinion, can Muftis, in order to remove some difficulties or other juristic precepts issue a legal statement (fatwa) based on that singular opinion? What are the rules and regulations in this regard? What are the opinions of earlier and later scholars? In which scenarios is it permissible to issue legal statement (fatwa) based on singular opinion(s), and in which scenarios is it impermissible?
Keywords: Fiqh, fatwa, independent opinion, Contemporay economic issues

اسلام قیامت تک پوری انسانیت کے لئے بہترین ہدایت، مکمل ضابطہ حیات، اللہ تعالی کا پسندیدہ، کامل اور مکمل دین ہے جس کی بنیاد قرآن وسنت ہے، ہر دور میں ہر قسم کے نئے اور جدید مسائل کا استنباط علماء وفقہاء، قرآن وسنت کے دائمی وابدی اصولوں کی روشنی میں اپنے اجتہاد واستنباط سے پیش فرماتے رہے ہیں، جو مسائل مجتہد فیہ ہوں ان میں فقہاء کا اختلاف ہونا فطرتی بات ہے، جس کی مثالیں ہمیں عہد رسالت، عہدِ صحابہ وتابعین میں بھی بکثرت ملتی ہیں۔

* اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ گریجویٹ کالج سمندری، فیصل آباد

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فقہاء کے اختلاف کے وقت کس رائے اور اجتہاد کو عمل کے لئے اختیار کیا جائے گا؟ یہ سوال عامی کے لئے تو ہے ہی لیکن اس کی سب سے زیادہ ضرورت آج مفتیان کرام کو ہے کہ کسی نئے پیش آمدہ، یا تغیر احوال کی وجہ سے دفعِ حرج کی بناپر مختلف فیہ مسائل میں کس فقیہ کی رائے پر فتوی دیا جائے؟

اس سلسلے میں قدیم وجدید علماء نے بہت تفصیل سے کلام کیا ہے اور فتوی دینے کے مفصل اصول وضوابط پر طویل و عریض کتب تصنیف فرمائی ہیں، یہاں پر صرف اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں جمہور فقہاء ایک رائے پر متفق ہوں، جبکہ اسی مسئلے میں کسی ایک فقیہ کا اجتہاد ان کے مخالف ہو، تو کیا مفتیانِ کرام دفعِ حرج، مصالح مرسلہ، ضرورت وحاجت یا اس قسم کے دیگر فقہی قواعد کی بنیاد پر اس قول شاذ و رائے پر فتوی دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلے میں کیا اصول وضوابط ہیں؟ کن صورتوں میں قول شاذ پر فتوی دینا جائز ہے اور کن صورتوں میں ناجائز ہے؟ ذیل میں مذکورہ سولات کے مفصل جوابات تلاش کرنے کی سعی کی گئی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ ان چند معاصر معاشی مسائل کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے جن میں قول شاذ پر فتوی دیا گیا ہے۔

ان مذکورہ مباحث سے پہلے "فتوی" اور " قول شاذ" کا لغوی واصطلاحی مفہوم سمجھنا ضروری ہے، کیوں کہ ان کے معانی ومراد متعین کیے بغیر مذکورہ سوالات کے جوابات تلاش کرنا ناممکن ہے۔

فتویٰ کا لغوی معنی

لفظِ ''فتوی'' کا مادہ "ف ت ی" ہے اس کی جمع فتاویٰ آتی ہے، لغوی اعتبار سے یہ لفظ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً جوان مرد(1)، طاقت ور غلام(2)، جوان عورت، سخاوت کرنے والا(3) وغیرہ۔

فتویٰ کا اصطلاحی معنی

فتوی فا کے پیش اور فتحہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے(4) جس سے مراد کسی فقہی مسئلے میں کسی فقیہ کا جواب دینا ہے۔(5)

کسی فقہی مسئلہ کے جواب کو فتوی اس لئے کہا جاتا ہے کہ مفتی اور فقیہ اس کا شرعی حکم واضح اور ظاہر کرتا ہے۔ نیز مفتی کے جواب میں الزام کا پہلو نہیں ہوتا صرف حکمِ شرعی کا اظہار ہوتا ہے، الزامِ حکم کا پہلو قاضی کے فیصلے میں ہوتا ہے۔(6)

شاذ کا لغوی معنی

لغت میں لفظ" شاذ" باب ضرب یضرب شذ یشذ اور نصر ینصر شذ یشذ شذ وذا سے ہے جس کے معنی الگ تھلگ، ندرت، قلتِ استعمال، خلافِ قواعد یا جمہور سے ہٹ کر کوئی رائے اختیار کرنا ہے۔(7)

اہل عرب "رجل شاذ" اس آدمی کے لئے بولتے ہیں جو اپنے ساتھیوں سے الگ تھلگ ہو جائے، " کلمۃ شاذۃ" وہ کلمہ ہوتا ہے جو پورے جملے میں الگ اور منفرد ہو۔[8]

"شَذَّ الرَّجُلُ" اس وقت بولا جاتا ہے جب آدمی اپنے ساتھیوں سے منفرد ہو[9] اور اسی طرح ہر وہ چیز جو منفرد ہو، وہ شاذ ہے۔[10]

ان عبارات سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اہل زبان لفظِ شاذ کو ایسی اشیاء واشخاص پر استعمال کرتے ہیں جو دوسری اشیاء واشخاص سے مختلف اور الگ تھلگ ہوں۔

شاذ کی اصطلاحی تعریف

یہ لفظ قرآن پاک میں تو اس مادہ میں استعمال نہیں ہوا لیکن حدیث میں اسی اصطلاحی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

''ید الله مع الجماعة ومن شذ شذ إلى النار''[11]

(اللہ تعالیٰ کی مدد جماعت کے ساتھ ہے اور جو اس سے علیحدہ ہوا اسے جہنم میں علیحدہ کیا جائے گا۔)

جمہور علماء یعنی حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اصطلاحی طور پر شاذ صحیح، مشہور اور راجح کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے گویا غلط، مرجوح، ضعیف یا غریب رائے کو شاذ کہا جاتا ہے۔[12]

علامہ زرکشی فرماتے ہیں

''أُخْتُلِفَ فِي الشُّذُوذِ، وَمَا هُوَ؟ فَقِيلَ: هُوَ قَوْلُ الْوَاحِدِ، وَتَرْكُ قَوْلِ الْأَكْثَرِ''[13]

(شذوذ کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے کہ وہ کیا ہے؟ تو کہا گیا ہے کہ وہ اکثر کے قول کو ترک کرنا اور اکیلے آدمی کے قول کو اختیار کرنے کا نام ہے۔)

حنابلہ کے نزدیک قول شاذ سے مراد وہ قول ہے جو جمہور اہل علم اور دلائل معتبرہ کے خلاف ہو، چنانچہ علامہ ابن قدامہ نے متعدد مقامات پر شاذ اسی معنی میں استعمال کیا ہے، جیسا کہ وہ وصیت اور عدت[14] کے باب میں فرماتے ہیں۔

''وَهَذَا قَوْلٌ شَاذٌّ يُخَالِفُ الْأَثَرَ وَالنَّظَرَ''[15]

(اور یہ قول شاذ ہے جو عقل و نقل کے مخالف ہے۔)

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

''إن حد الشذوذ هو مخالفة الحق فكل من خالف الصواب في مسألة ما

فهو فيها شاذ"(16)

(بے شک شذوذ کی تعریف حق کی مخالفت ہے پس ہر وہ رائے جو کسی بھی مسئلہ میں درست بات کی مخالف ہو گئی وہ شاذ ہے۔)

بہت سے اہل علم خاصکر اصولی حضرات نے جیسے ابو بکر جصاص، امام غزالی، (17) علامہ آمدی، فخر الاسلام بزدوی، علامہ زرکشی، ابن ہمام وغیرہ نے اسی دوسری تعریف کو ترجیح دی ہے۔ (18)

دلیل: یہ حضرات دلیل یہ دیتے ہیں کہ بسا اوقات ایک آدمی کا ایسا قول ہوتا ہے جو جمہور کے مخالف ہوتا ہے لیکن وہ ہی حق ہوتا ہے لہذا وہ شاذ نہیں ہوگا، جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جمہور سے اختلاف کیا ہے زکوۃ کے معاملے میں، اسی طرح لشکر اسامہ کی روانگی میں بھی ان کی رائے جمہور سے مختلف تھی لیکن ان کو شاذ نہیں کہا جاتا کیوں کہ وہ رائے مبنی بر حق تھی۔

تبصرہ و تجزیہ

مذکورہ بحث کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک شاذ وہ ہے جو کسی ایک فرد یا قلیل جماعت کی رائے ہو اور جمہور کے خلاف ہو، جب کہ حنابلہ، ظاہریہ اور اکثر اصولیین کے نزدیک شاذ اس رائے کو کہا جاتا ہے جو باطل ہو اور حق کے مد مقابل ہو۔ ظاہر بات ہے کہ جب شاذ باطل کو کہا جائے گا تو اس پر عمل کرنا، معاصر مسائل ان اقوال شاذہ کی روشنی میں حل کرنا اور ان کے مطابق فتاوٰی جاری کرنا اہل سنت والجماعت کے نزدیک متفقہ طور پر ناجائز اور حرام ہے، لہذا جدید مسائل کے حل میں شاذ اقوال پر فتاوی کے جواز اور عدم جواز کی ساری بحث جمہور فقہاء حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کی اختیار کردہ تعریف کی بنا پر ہے۔

فتاویٰ شاذہ

قول شاذ پر فتوی یا فتاوی شاذہ کیا ہیں؟ اس کی اصطلاحی تعریف کیا ہے؟

علمائے اصول نے اس کی کوئی اصطلاحی تعریف ایک ساتھ نہیں کی، تاہم فقہا نے ان دونوں الفاظ کی الگ الگ تعریفات کی ہیں، کہ فتوی کا اصطلاحی معنی شرعی حکم کو واضح کرنا، اور شاذ جو جمہور کی رائے کے خلاف ہو یا حق کے مخالف ہو جیسا کہ ابن حزم نے کہا ہے، تو فتاوی شاذہ کی تعریف ان الفاظ میں کی جا سکتی ہے۔

"کسی فقیہ کے ایسا قول پر فتوی دینا جو قرآن و سنت، مقاصد شریعت، مسلمہ شرعی اصول و ضوابط یا اجماع کے خلاف ہو، قول شاذ پر فتوی دینا کہلاتا ہے۔ اور فقہاء کی تعریف کے مطابق قول شاذ پر فتاوی کا مطلب ہو گا کسی فقیہ کے کسی ایسے قول پر فتوی دینا جو جمہور فقہاء کے خلاف ہو۔"

قول شاذ ہونے کی وجوہات

(1) قرآن یا حدیث صحیح حدیث کے خلاف ہو۔

(2) اجماع امت کے خلاف ہو، جمہور فقہاء کے اجماع کے خلاف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں نقص پایا جارہا ہے کیوں کہ آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق میری امت گمراہی پر اکھٹی نہیں ہوسکتی۔ جیسے سامان تجارت پر زکوۃ کے عدم وجوب کا فتوی جمہور فقہاء کے خلاف ہے۔

(3) اس قول کے قائل بہت قلیل لوگ ہوں جب کہ اس کے مخالف علماء کی کثیر جماعت ہو اور وہ اس شاذ رائے کو گمراہی خیال کرتے ہوں۔

(4) اصول شریعت اور قواعد عامہ کے خلاف ہو، مثلا اس فتوے کی بنیاد قیاس غیر صحیح یا قیاسِ فاسد پر ہو، بایں طور کہ غیر اصل پر قیاس کیا گیا ہو یا مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان واضح فرق موجود ہو۔

حکم: جس قول میں مندرجہ بالا وجوہ پائی جاتی ہوں یعنی وہ قول جو قرآن وحدیث، اجماع امت، قیاس جلی، شریعت کے مسلمہ اصول وضوابط کے مخالف ہو یا اس کی بنیاد کسی بھی ایسی دلیل پر ہو جو قابل اعتبار نہ ہو، تو ایسے قول شاذ کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا، اس پر فتوی دینا بلکل ناجائز اور حرام ہے۔

قول شاذ کی ایک دوسری قسم فقہی مذاہب میں سے مشہور و معتمد رائے کے مقابل کسی قول کو بھی قول شاذ کہا جاتا ہے جیسا کہ احناف، شوافع اور مالکیہ کی رائے سے واضح ہوتا ہے۔

حکم: اس شاذ رائے پر ضرورت وحاجت، عموم بلوی، یا عرف وعادت کی بنا پر فتوی دینا مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے۔[19]

ایسی ضرورت وحاجت کا تحقق واقعتا ہو جو اس بات کی متقاضی ہو کہ اس مشقت کو رفع کیا جائے، محض اتباع ہویٰ کے لئے اقوال شاذہ کو اختیار نہ کیا جائے۔

اقوال شاذہ پر فتوی فروعی اجتہادی ظنی مسائل میں دیا جارہا ہو یعنی وہ مسائل جن میں نص قطعی، اجماع یا قیاس جلی موجود نہ ہو۔

اقوال شاذہ پر فتوی دیتے ہوئے مصادر شریعۃ قطعیہ کی مخالفت نہ ہورہی ہو۔ یہ فقہاء کے ایسے اقوال نہ ہوں جن کو جمہور اہل علم ضلالت وگمراہی سے تعبیر کرتے ہوں، جیسے جواز متعہ وغیرہ۔

اقوال شاذہ پر فتوی معاصر فقہاء دیں یا مبتلی بہ خود فقیہ ہو، عامی کے لئے از خود ان پر عمل کرنا درست نہیں ہے۔[20]

ان اقوال پر عمل اس انداز میں نہ ہو کہ اس سے تلفیقِ ممنوع لازم آئے۔[21]

معاصر مالیاتی مسائل کا ان اصول وضوابط کی روشنی میں تطبیقی وتنقیدی جائزہ

معاصر مسائل کے حل کرنے میں علماء کے تین گروہ سامنے آتے ہیں۔

1۔جدت پسند: بہت سے جدت پسند علماء تو ایسے ہیں جو ہر وقت "تغیر الفتوی بتغیر الزمان" کے اصول کو سامنے رکھتے ہیں اور ہر مسئلے کا حل حالات حاضرہ کے مطابق پیش کر دیتے ہیں، خواہ انہیں اس سلسلے میں کوئی دلیل ملے یا نہ ملے، اس اصول کو وہ بطور حیلہ اور ذریعہ استعمال کرتے ہیں اور تمام احکام شریعت میں جدت کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ یہ قاعدہ اتنا مطلق نہیں ہے جتنا وہ اس کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں، یہ طرز عمل درست نہیں ہے۔

2۔روایت پسند۔ایک طبقہ ایسا ہے جو جمود کا شکار ہے جو ہر حال میں قدیم فتاوی پر جمود اختیار کیے ہوئے ہے، خواہ زمان و مکان، عرف وعادت اور ضرورت وحاجت میں کتنی ہی تبدیلی کیوں نہ ہو جائے، یہ طرز عمل بھی درست نہیں ہے۔

3۔ معتدل طبقہ۔ ہر زمانے کی طرح علماء کا ایک بہت بڑا طبقہ اب بھی ایسا ہی ہے جو زمانے کے حالات، لوگوں کی ضرورتوں اور مجبوریوں کو سمجھتا ہے اور شریعت اسلامیہ کے ابدی اصولوں کی روشنی میں نئے پیش آمدہ مسائل کا حل امت کو بتلاتا ہے۔

یہ طبقہ نہ تو بغیر دلیل کے لوگوں کو سہولت ورخصت دینے میں دلچسپی رکھتا ہے اور نہ ہی قدیم فتاوی پر جمود کے شوق میں لوگوں کو تکلیف ومشقت میں مبتلا کرتے ہیں، ان کے نزدیک احکام شریعت دو قسم کے ہیں۔

1 ۔ منصوص ۔ جیسے عبادات ، محرمات ، اخلاقِ حمیدہ ورذیلہ اور وہ تمام احکام جن پر اجماع ہے جو ایسے نصوص سے ثابت ہوں جو دلالت و ثبوت کے اعتبار سے قطعی ہوں تو ان میں زمان ومکان ، عرف وعادت یا ضرورت وحاجت کی بنیاد پر کوئی تبدیلی کرنا بلکل درست نہیں ہے۔

"كل ما أقام الله به الحجة في كتابه أو على لسان نبيه منصوصاً بيناً: لم يحل الاختلاف فيه لمن علمه"(22)

(ہر وہ بات جو نص صحیح کی صریح دلالت سے واضح ہو اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔)

اس عبارت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اگر نص تو ہو لیکن صریح نہ ہو، یا نص ہو لیکن صحیح نہ ہو یا صحت کے اعتبار سے متنازع ہو، تو ان میں اختلاف کی گنجائش ہو گی۔

2۔غیر منصوص۔ وہ مسائل جن میں نص بلکل نہ ہو، یعنی وہ اجتہادی احکام جو عرف وعادت یا ضرورت وحاجت، زمان ومکان یا مصلحت عامہ کے بدلنے سے ان کے حکم میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے، اس تبدیلی و تغیر کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

1۔ حکم معلول بالعلۃ ہو اگر علت ختم ہو جائے تو حکم بدل جائے گا۔

2۔ حکم کا دار و مدار عرف و عادت پر ہو، اگر عرف و عادت بدل جائے تو حکم بھی بدل جائے گا۔

3۔ ضرورت شدیدہ، عموم بلویٰ کی وجہ سے اس ضرورت کی بقدر حکم میں تغیر واقع ہو جائے گا۔[23]

ان اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے جمہور علمائے کرام نے امت مسلمہ کو درپیش تمام معاصر معاشی مسائل کا حل پیش کیا ہے اور یہ کام مسلسل ہو رہا ہے۔ عالمی سطح پر پوری دنیا کے مالیاتی اداروں کی رہنمائی کے لیے "ہیئۃ المحاسبۃ للمؤسسات المالیہ الاسلامیہ" کی مجلس شرعی نے عالم اسلام کے ممتاز علماء و محققین کی باہم مشاورت سے "المعاییر الشرعیہ" (Shariah Standards) جاری کیے ہیں۔ جن میں بینکنگ اور دیگر مالیاتی اداروں کے بہت سے مسائل کا شرعی حل اور متبادل پیش کیا گیا ہے۔ مذکورہ شریعہ بورڈ فتویٰ دیتے ہوئے کسی ایک متعین فقہی مسلک کی پابندی نہیں کرتا بلکہ فقہی ذخیرہ میں سے ضرورت اور مسئلے کی نوعیت کے اعتبار سے کسی بھی مذہب یا رائے پر فتوی جاری کرتا ہے۔ بعض دفعہ کسی ایسے قول پر فتوی دیا جاتا ہے جو جمہور فقہاء کے مخالف ہو، اور اسی لیے بہت سے دیگر علماء ان پر یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ آپ اسلامی بینکوں کی سہولت کے لیے اقوال شاذہ پر فتاوی جاری کرتے ہیں جو کہ شرعی اعتبار سے درست نہیں ہے، ذیل میں "المعاییر الشرعیہ" میں سے ان چند مسائل کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے جن میں مجلس شرعی نے فتوی جمہور علماء و فقہاء کے اجتہاد کے خلاف کسی ایک فقیہ کی رائے پر دیا ہے۔ یہاں پر مجلس شرعی کے فتاوی کو صرف اس لئے منتخب کیا گیا ہے کہ عالم اسلام میں اس وقت جتنے بھی اسلامی مالیاتی ادارے کام کر رہے ہیں وہ اس کے جاری کردہ معیارات پر عمل کرتے ہیں جب کہ باقی مجالس یا مجامع کی یہ حیثیت نہیں ہے۔

استصناع عقد لازم ہے یا نہیں؟

استصناع کے باب میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ استصناع عقد لازم ہے یا نہیں؟

جمہور فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ تو اس کو عقد ہی نہیں مانتے بلکہ وعدہ کہتے ہیں، جمہور فقہاء اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ بیع ایسی چیز کی نہیں ہو سکتی جو بائع کے پاس موجود ہی نہیں، لہذا اس کو بیع تو قرار نہیں دیا جا سکتا، اجارہ بھی نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ صانع اپنی ملکیت میں کام کرتا ہے، بائع کا نہیں کرتا ہے اور یہ بیع سلم بھی نہیں بن سکتی، کیونکہ یہاں اس کی شرائط نہیں پائی جا رہیں، لہذا یہ بطور عقد کے جائز نہیں ہے ہاں وعدہ کیا جا سکتا ہے۔[24]

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ استصناع ایک عقد ہے، لہذا یہ سلم کی طرح بیع ہے یہ وعدہ نہیں بلکہ اس کے بعد دوبارہ عقد بیع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔[25]

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ استصناع کا عقد آپ ﷺ کے دور، صحابہ اور تابعین کے دور میں جاری تھا اور کسی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ آپ ﷺ کے عمل سے بھی یہ ثابت ہے اس لئے یہ عقد جائز ہے 26۔

جب جمہور اسے عقد ہی نہیں مانتے تو اس کے لزوم یا عدمِ لزوم کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب کہ حنفیہ اسے عقد مانتے ہیں اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ یہ عقد لازم ہے یا نہیں؟ عقد لازم کا مطلب یہ ہے کہ متعاقدین میں سے کسی کو عقد فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا جبکہ غیر لازم میں متعاقدین میں سے ہر ایک کو فسخ کا حق حاصل ہوتا ہے۔

اس مسئلہ میں حنفیہ کے ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

طرفین کا مذہب

طرفین یعنی امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ عقد غیر لازم ہے کیونکہ مشتری نے اس چیز کو دیکھا نہیں ہے لہذا جب وہ اسے دیکھے گا تو اسے خیار رویت حاصل ہے چاہے تو عقد پورا کرے چاہے تو فسخ کر دے۔ (27)

امام ابو یوسفؒ کا مذہب

امام ابو یوسفؒ کا مذہب یہ ہے کہ عقد استصناع، عقد لازم ہے ان دونوں میں سے کسی کو بھی خیار کا حق حاصل نہیں، لہذا اگر صانع وہ چیز بیان کردہ صفات و خصوصیات کے مطابق تیار کرتا ہے تو مشتری کو خریدنی لازمی ہو گی اسے کسی قسم کا خیار نہیں ہوگا۔ (28)

دلیل

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر صانع طے شدہ شرائط کے مطابق چیز تیار کرتا ہے اور پھر بھی مستصنع کو لینے یا نہ لینے کا اختیار ہو، اور وہ اس چیز کو رد کر دے تو اس صورت میں صانع کو ضررِ عظیم لاحق ہو گا، جبکہ اسے لینے پر مجبور کرنے کی صورت میں اس پر کوئی ظلم نہیں، کیونکہ وہ چیز اس کے حکم پر اس کی بیان کردہ صفات کے مطابق تیار کی گئی۔ (29)

طرفین کی دلیل

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اگر ہم مستصنع کو اختیار نہیں دیتے اور اسے وہ چیز پسند نہ آئے اور اسے پورا ثمن ادا کرنا پڑے تو یہ نقصان اس نقصان سے زیادہ ہے جو صانع پر اس چیز کو رد کرنے کی صورت میں صانع کو ہوتا ہے۔

اس لئے کہ مستصنع کو اس کی مثلی قیمت ملنا بہت مشکل ہے جب کہ صانع کا کاروبار ہے اسے اتنا مسئلہ نہیں ہوگا وہ کسی دوسرے گاہک کو وہ چیز فروخت کر دے گا۔ حنفیہ میں علامہ کاسانیؒ نے طرفینؒ کے قول کو ہی راجح قرار دیا ہے۔ (30)

مجلس شرعی کا فیصلہ

مجلس شرعی نے استصناع کے عقد ہونے میں جمہور فقہاء کے مقابلے میں حنفیہ کے قول کو اختیار کیا، اس مسئلہ میں ظاہر ہے جمہور علماء کا اختلاف نہیں ہے، کیونکہ ان کے نزدیک یہ جب عقد ہی نہیں تو لازم یا غیر لازم کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ حنفیہ اسے عقد مانتے ہیں لیکن پھر ان میں سے طرفینؒ اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے تو مجلس شرعی نے اس مسئلے میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کیا ہے۔

چنانچہ معیار شرعی نمبر 10، ضابطہ نمبر 1/2/2 میں ہے۔

"عقد الاستصناع ملزم للطرفين إذا توافرت فيه شروطه"(31)

(مکمل شرائط کے پائے جانے پر عقد استصناع دونوں فریقوں پر لازم ہو جاتا ہے۔)

اس مسئلہ کی شرعی دلیل ذکر کرتے ہوئے مجلس شرعی نے واضح طور پر لکھا ہے کہ یہ فتویٰ امام ابو یوسف کے قول کی بنیاد پر دیا گیا ہے۔

چنانچہ المعاییر الشرعیہ میں ہے:

"مستند كون عقد الاستصناع ملزما للطرفين هو قول الإمام أبي يوسف ـــ فلو كان للمستصنع الامتناع عن أخذه لكان فيه إضرار بالصانع"(32)

(استصناع کے عقد کو دونوں فریقوں کیلئے لازم قرار دئے جانے کی بنیاد امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے، اگر خریدار کو تیار شدہ چیز نہ لینے کا اختیار دیا جائے تو اس میں صانع کو نقصان پہنچانا لازم آئے گا۔)

مجلس شرعی کے فیصلے کا جائزہ

اس مسئلے میں گویا مجلس شرعی کے علماء نے مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، امام ابو حنیفہ اور امام محمد، امام زفر کے قول کے مقابلے میں صرف امام ابو یوسف کا قول اختیار کیا ہے اور اس پر فتویٰ دیا ہے۔

مجلس شرعی کا فیصلہ درج ذیل وجوہات کی بنا پر بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔

1۔ طرفین کے مقابلے میں امام ابو یوسف کا قول دلائل کے اعتبار سے زیادہ مضبوط ہے۔ کیونکہ امام ابو یوسف نے یہ کہا ہے کہ اگر اسے لازم نہ قرار دیا جائے تو صانع کو نقصان ہے، جس کا جواب طرفین نے دیا کہ مستصنع کو اختیار نہ دیا تو اسے صانع سے زیادہ نقصان ہے، اس لئے اسے لازم نہیں قرار دیا جا سکتا، تو اگر غور کیا جائے تو مستصنع کو کوئی نقصان نہیں، اس لئے کہ اس نے صانع سے اپنی مرضی کے مطابق سامان تیار کروایا ہے اور جب اس سامان میں وہ صفات پوری ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ انکار کرے، اگر وہ انکار کرتا ہے تو طرفین نے جیسے کہا ہے کہ صانع تو ماہر ہے کسی اور گاہک کو وہ سامان فروخت کرے گا، تو حقیقت

میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ ایسی اشیاء کے گاہک بہت کم ہوتے ہیں جو خاص صفات پر بنائی گئی ہوں لہذا اس کی یہ اشیاء بازار میں آسانی سے بکنے والی نہیں ہیں، ہاں امام ابو یوسف کے قول میں مشتری کی رعایت بھی موجود ہے اور بائع کی بھی، کہ اگر اس کی طے شدہ صفات پر سامان تیار نہیں ہوا تو اب وہ اسے خریدنے سے انکار کر سکتا ہے، لیکن اگر اس کی طے شدہ صفات کے مطابق سامان ہے تو اب انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

2۔ آج کل کے حالات میں خاص کر اسلامی مالیاتی اداروں کیلئے امام ابو یوسف کے مذہب پر فتوی انتہائی ضروری ہے، کیونکہ اس میں بڑے بڑے پروجیکٹ پر کام ہوتا ہے، اب مشتری کو کیسے اختیار دیا جائے جبکہ وہ چیز اس کے اوصاف کے مطابق بھی ہے کہ وہ اسے چاہے تو لے لے چاہے تو رد کر دے، بسا اوقات صانع نے اس پر پوری زندگی کی جمع پونجی لگائی ہوتی ہے، صرف اس امید پر کہ مجھے اس پر اتنا نفع ملنا ہے اگر وہ بغیر کسی وجہ کے انکار کر دے تو صانع تو ڈوب جائے گا اس لئے وقت اور حالات کے مطابق مجلس شرعی کا یہ فیصلہ بالکل درست ہے، اگرچہ تمام فقہاء میں سے یہ صرف امام ابو یوسفؒ کے قول پر مبنی ہے۔

3- عرف بھی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا قول اختیار کیا جائے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ وہ غیر منصوص اجتہادی مسائل جن کا مدار عرف پر ہو، تو عرف کے بدلنے سے ان کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔ تو عرف اسی کا ہے کہ جب طے شدہ شرائط کے مطابق چیز تیار ہے تو مستصنع انکار نہیں کر سکتا۔

نقود میں وقف کا حکم

وقف کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ نقود کا وقف ہے۔

جمہور فقہاء (جن میں حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ سبھی شامل ہیں) کے نزدیک وقف کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی اشیاء کا ہو جن سے انتفاع سے ان کا وجود ختم نہ ہوتا ہو جیسے زمین، مکان وغیرہ، جمہور فقہاء کے نزدیک نقود یعنی دراہم ودنانیر میں وقف اس لئے درست نہیں ہے کیوں کہ ان سے انتفاع ان کے وجود کے ختم کیے بغیر ممکن نہیں۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

"أَنَّ مَا لَا يُمْكِنُ الِانْتِفَاعُ بِهِ مَعَ بَقَاءِ عَيْنِهِ، كَالدَّنَانِيرِ وَالدَّرَاهِمِ"(33)

(بے شک وہ اشیاء جن کے عین کے باقی رہتے ہوئے انتفاع ممکن نہیں ہے جیسے درہم ودنانیر۔)

جب کہ احناف میں صرف محمد بن عبداللہ الانصاریؒ کے نزدیک نقود میں وقف درست ہے۔

"وَعَنْ الْأَنْصَارِيِّ فِي مَنْ وَقَفَ الدَّرَاهِمَ أَوْ الدَّنَانِيرَ ---أَيَجُوزُ قَالَ نَعَمْ"(34)

(امام محمد بن عبداللہ انصاری جو امام زفر کے شاگردوں میں سے ہیں سے درہم ودنانیر،۔۔کے

وقف کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا ان کا وقف جائز ہے؟ تو انہوں نے کہا 'ہاں جائز ہے۔)

مجلس شرعی کا فیصلہ

مجلس شرعی نے یہاں پر جمہور فقہاء کے اقوال کو چھوڑ کر امام زفرؒ کے شاگرد محمد بن عبداللہ انصاریؒ کے قول پر فتوی دیا ہے۔ چنانچہ المعاییر الشرعیہ میں ہے:

"یجوز وقف النقود، ویکون الانتفاع بها بما لا یودی الی استهلاکهامعاالانتفاعبها"(35)

(نقد مال کا وقف جائز ہے، اور ان سے فائدہ ایسے اٹھایا جائے گا جو ان کے اصل کے ضائع ہونے کا سبب نہ ہو۔)

اس کی دلیل میں مجلس شرعی کے علماء لکھتے ہیں:

" صحةوقفالنقود مستند انهاالاصلوهوقولمحمدبنعبداللهالانصاريونحوهوقفالاسهموالصكوك"(36)

(نقود میں وقف صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہی ہی اصل ہے، اور یہ محمد بن عبداللہ الانصاری کا قول ہے، حصص اور صکوک کا وقف بھی اسی طرح ہے۔)

مجلس شرعی کے فتوے کا جائزہ

مجلس شرعی نے یہاں پر جمہور علماء کی رائے کے مقابلے میں اگرچہ ایک شاذ قول پر فتوی دیا ہے لیکن یہ فتوی درست معلوم ہوتا ہے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں۔ ان کی دلیل میں کافی وزن ہے چنانچہ ان کی دلیل امام زہریؒ کا یہ اثر ہے:

"امام زہری اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جس نے ایک ہزار درہم اللہ کے راستے میں دیے اور انہیں کسی غلام کو دیا جس سے وہ تجارت کرتا ہے اور نفع مساکین اور رشتے داروں پر خرچ کرتا ہو تو کیا اس شخص کے لئے اس نفع سے لینا جائز ہے اگرچہ اس نے اسے مساکین کے ساتھ مخصوص نہ کیا ہو تو انہوں نے فرمایا، کہ اس کے لیے اس سے کھانا جائز نہیں ہے۔"(37)

اس سے بلکل واضح ہوتا ہے کہ امام زہریؒ بھی اسے درست قرار دیتے تھے۔

2- آج کل شیئرز اور صکوک وغیرہ میں اس کی ضرورت بھی ہوتی ہے کہ کوئی انسان انہیں وقف کرنا چاہے تو اس قول کے مطابق مصارف وقف کا فائدہ زیادہ ہے۔

تبصرہ و تجزیہ

ہیئۃ المحاسبۃ والمراجعۃ للمؤسسات المالیہ والاسلامیہ کے اب تک جاری کردہ شرعی معیارات میں سے کافی تلاش وجستجو کے بعد مجھے تین مسائل ملے ہیں جن میں (دو کا یہاں ذکر کیا جب کہ ایک طوالت کی بنا پر چھوڑ دیا ہے) ان کی مجلس شرعی نے جمہور فقہاء یعنی ائمہ اربعہ کے خلاف کسی ایک فقیہ کے قول کے مطابق فتوی دیا ہے، ان معیارات میں ایسے مسائل تو بہت زیادہ ہیں جن میں مذاہب ثلاثہ کو چھوڑ کر ایک مذہب پر فتوی دیا گیا ہو یا دو مذاہب پر، لیکن چاروں کو چھوڑ کر ان کے علاوہ کسی ایک فقیہ کے قول پر فتوی دیا گیا وہ بہت ہی کم ہے اور ان کے ذکر کردہ مستندات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ یہی تین مسائل ہیں۔

اگر ان مسائل کا تنقیدی جائزہ لیا جائے (جیسا کہ ہر ہر مسئلے کے ذیل ان کا جائزہ پیش کیا گیا ہے) تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ فتاوی بھی ان اقوال شاذہ پر نہیں ہیں جن پر فتوی دینا ناجائز ہو۔ ان کو ہم شاذ اس معنی میں تو کہہ سکتے ہیں کہ جمہور کے مخالف ہیں لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اقوال حق کے مدمقابل ہیں، اور ان پر فتوی دینا ناجائز ہے۔ بلکہ ان پر ضرورت وحاجت اور تغیر زمان کی بنا پر فتوی دینا جائز ہے۔ کیونکہ یہ اقوال کسی صحیح صریح نص کے مخالف نہیں ہیں، نہ ہی یہ ان اقوال میں سے ہیں جن کو جمہور علماء نے گمراہ کن قرار دیا ہو، اور نہ ہی مصادر شریعت اور مسلمہ شرعی اصولوں کے خلاف ہیں بلکہ ظنی اجتہادی مسائل میں سے ہیں اور انہیں ضرورت وحاجت کی بنا پر جید علماء کی ایک پوری جماعت نے لوگوں کو ناجائز امور سے بچانے کے لئے اختیار کیا ہے تو ان میں شرعی طور پر کوئی ممانعت نہیں ہے بلکہ اس کی ترغیب ہی ملتی ہے۔

چنانچہ جمہور علماء کے نزدیک ایسا قولِ شاذ اختیار کرنا ناجائز ہے جو اسلام کے مزاج کے خلاف ہو اور فتنوں کا دروازہ کھولے[(38)]، لیکن اجتہادی مسائل میں کوئی رائے الگ رکھنا جمہور کے نزدیک ناجائز اور ناپسندیدہ نہیں ہے۔[(39)]

اس لئے جمہور اہل سنت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اجتہادی مسائل میں اختلاف کی گنجائش موجود ہوتی ہے اور اس میں دلیل کی بنیاد پر کسی ایک فرد کا قول اسے ایسا شاذ نہیں بنائے گا جو حق کے مدمقابل ہو اور باطل ہو۔[(40)] کیوں کہ تحقیقی دنیا میں قائل کو نہیں بلکہ اس کے قول کو دلیل کے بنیاد پر دیکھا جاتا ہے اور آپ ﷺ کے علاوہ بڑے سے بڑے آدمی کے قول کو بھی رد کیا جاسکتا ہے اور چھوٹے سے چھوٹے آدمی کے قول کو قبول کر لیا جاتا ہے جب اس کی دلیل مضبوط ہو۔

نتائج بحث

1۔ لغوی طور پر ہر اکیلی اور نادر چیز کو شاذ کہا جاتا ہے، جب کہ اصطلاحی طور پر شاذ کے دو معنی ہیں (1) وہ قول یا رائے جو جمہور کے مخالف ہو (2) وہ قول جو باطل ہو اور حق کے مدمقابل ہو۔

2۔ ہر وہ شاذ قول جو کتاب اللہ، صحیح حدیث، اجماع یا قیاس جلی کے مخالف ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے یہی وہ شاذ ہے جو حق کے مقابلے میں ہے اور ان پر کسی بھی مسئلہ میں فتوی دینا درست نہیں ہے۔

3۔ ہر ایسا قول جو مصادر شریعت کے مخالف نہ ہو اور ظنی واجتہادی مسائل میں سے ہو اور معاصر علماء اس پر ضرورت وحاجت کی بنا پر فتوی دینے کی ضرورت محسوس کریں تو اس پر فتوی دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

4۔ قول شاذ پر فتوی کے اصول وضوابط کی روشنی میں معاصر مالیاتی مسائل کا تطبیقی وتنقیدی جائزہ کے لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ معاصر غیر سودی مالیاتی اداروں کے لئے مجلس شرعی کے جاری کردہ "المعاییر الشرعیہ" (Shariah Standards) میں کسی بھی ایسے قول پر فتوی نہیں دیا گیا جو کسی نص صحیح صریح کے مخالف ہو لہذا یہ اعتراض بلکل بے بنیاد ہے کہ مجلس شرعی کے علماء اسلامی مالیاتی اداروں کی سہولت کے لئے شاذ اقوال پر فتاوٰی جاری کرتے ہیں۔ کیوں کہ اگر کہیں وہ شاذ قول کو لیتے بھی ہیں تو وہ ایسا قول ہوتا ہے جو قرآن وسنت کے مسلمہ اصولوں کے مطابق اور مضبوط دلائل پر مبنی ہوتا ہے لہذا وہ صرف لغوی طور پر شاذ ہوتا ہے حقیقت میں شاذ نہیں ہوتا۔

حوالہ جات

1۔ مرتضی الزبیدی، محمد بن محمد، ابوالفیض، تاج العروس من جواہر القاموس، دار احیاء التراث العربی، بیروت، مادہ ف ت ی، ج30، ص208

2۔ مرتضی الزبیدی، محمد بن محمد، ابوالفیض، تاج العروس من جواہر القاموس، دالہدایۃ، مادہ ف ت ی، ج39، ص212

3۔ ایضا

4۔ مرتضی الزبیدی، محمد بن محمد، ابوالفیض، تاج العروس من جواہر القاموس، مادہ ف ت ی، ج39، ص212

5۔ ابن منظور الافریقی، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر، بیروت، 1414ھ، ج15، ص148

6۔ محمد بن أحمد بن محمد علیش، أبو عبد اللہ المالکي، منح الجلیل شرح مختصر خلیل، دار الفکر، بیروت، 1409ھ/1989م، ج1، ص20

7۔ ابن منظور الافریقی، محمد بن مکرم، لسان العرب، مادہ ش ذ ذ، دار صادر، بیروت، ج3، ص494،495

8۔ مرتضی الزبیدی، محمد بن محمد، ابوالفیض، تاج العروس من جواہر القاموس، دالہدایۃ، مادہ ش ذ ذ، ج9، ص423

9۔ مرتضی الزبیدی، محمد بن محمد، ابوالفیض، تاج العروس من جواہر القاموس، دالہدایۃ، مادہ ش ذ ذ، ج9، ص423

10۔ ابن منظور الافریقی، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر بیروت، 1414ھ، فصل الشین المعجمة، ج3، ص494

11۔ ترمذی، محمد بن عیسی، ابو عیسی، السنن، دار إحیاء التراث العربي، بیروت کتاب الفتن، باب ما جاء في لزوم الجماعة رقم الحدیث: 2167

ابو عبد اللہ الحاکم، محمد بن عبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیة، بیروت، 1999ء، ج1، ص199

12۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر، رد المحتار علی الدر المختار، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1425ھ، ج1، ص50

الخرشی، محمد بن عبد اللہ المالکی، حاشیة الخرشی علی مختصر خلیل، دار صادر بیروت، 1413ھ، ج1 ص36، 35

الموسوعة الکویتیہ الفقھیہ، وزارت اوقاف و اسلامی امور، کویت، 2009ء، ج25، ص357

13۔ ابو عبد اللہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی، البحر المحیط في أصول الفقه، دار الکتبي، 1414ھ - 1994م، ج6، ص489

14۔ ایضا، ج8، ص119

15۔ ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن أحمد بن محمد بن قدامة الجماعیلي المقدسي ثم الدمشقي الحنبلي، الشهیر بابن قدامة المقدسي، المغني لابن قدامة، مکتبة القاهرة، 1388ھ - 1968م، ج6، ص252

16۔ ابو محمد علي بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی، الإحكام في أصول الأحكام، دار الآفاق الجدیدة، بیروت، ج5، ص87

17۔ ابو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي، المستصفی، دار الکتب العلمیة، 1413ھ - 1993م، ج1، ص147

18۔ ابو بکر الجصاص، الفصول فی الاصول، 363/3؛ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ج1، ص298

19۔ مجلة المجمع الفقهی، منظمة المؤتمر الاسلامی، برونائی دار السلام، 1993ء، ج8، ص160

وھبة الزحیلی، الضوابط الشرعیہ للاخذ بایسر المذاھب، دار احیاء التراث العربي، بیروت، 1415ء، ص68، 53

20۔ احمد بن محمد بن علي بن حجر الهیتمي السعدي الانصاري، الفتاوی الفقهیة الکبری، مکتبة الإسلامیة، ج4، ص317

21۔ ابن تیمیة، الفتاوی الکبری، تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن عبد اللہ بن ابي القاسم بن محمد ابن تیمیة الحراني الحنبلي الدمشقي، دار الکتب العلمیة، 1408ھ - 1987م، ج6، ص145

22۔ شافعی، محمد بن ادریس، الرسالة، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1415ء، ص560

عثمانی، محمد تقی، مفتی، اصول الافتاء، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، 1433ھ، ص61، 59

23۔ شافعی، محمد بن ادریس، الرسالة، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ص560

عثمانی، محمد تقی، مفتی، اصول الافتاء، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، 1433ھ، ص61، 59

24۔ البھوتی، منصور بن یونس، کشاف القناع عن متن الاقناع، دار لکتب العلمیة، بیروت، ج3، ص154

25۔ شمس الائمہ سرخسی، محمد بن احمد، المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت، 1414ھ، ج14، ص148
26۔ المعاییر الشرعیۃ، المعیار الشرعی، رقم 11، الاستصناع والاستصناع الموازی، ص154
27۔ شمس الائمہ سرخسی، محمد بن احمد، المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت، 1414ھ، ج۱۴، ص۱۴۰
28۔ شمس الآئمہ سرخسی، محمد بن احمد، المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت، 1414ھ، ج14، ص۱۳۹
29۔ کاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار لکتب العلمیہ، بیروت، ط3، 1406ھ، ج4، ص95،96
30۔ کاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار لکتب العلمیہ، بیروت، ط3، 1406ھ، ج4، ص95،96
31۔ المعاییر الشرعیۃ، المعیار الشرعی، رقم 11، الاستصناع والاستصناع الموازی، ضابطہ نمبر، 2/2/1، ص146
32۔ المعاییر الشرعیۃ، المعیار الشرعی، رقم 11، الاستصناع والاستصناع الموازی، ص154
33۔ ابن قدامة، ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن ابن قدامة المغني، مکتبۃ القاہرۃ، مصر، ج6، ص34
34۔ ابن نجیم، زین الدین بن ابراھیم بن محمد، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، دار الکتاب الِاسلامی 219/5؛ محمد بن فرامرز بن علي، درر الحکام شرح غرر الأحکام، دار احیاء الکتب العربیۃ، ج2، ص137
35۔ المعاییر الشرعیہ، المعیار الشرعی رقم 33، الوقف، ضابط نمبر 3/3/4/3، ص826
36۔ المعاییر الشرعیہ، المعیار الشرعی رقم 33، الوقف، ص842
37۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الوصایا، بَابُ وَقْفِ الدَّوَابِّ وَالكُرَاعِ وَالعُرُوضِ وَالصَّامِتِ، ؛ بدر الدین العینی، ابو محمد محمود بن احمد بن موسی بن احمد بن حسین، عمدۃ القاري شرح صحیح البخاري، دار احیاء التراث العربیبیروت، ج14، ص69
38۔ ابو عبد اللہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی، البحر المحیط في أصول الفقہ، دار الکتبي، 1414ھ - 1994م، ج6، ص432
39۔ سلیمان بن عبد القوي بن الکریم الطوفي الصرصري، ابو الربیع، نجم الدین، شرح مختصر الروضۃ، مؤسسۃ الرسالۃ، 1407ھ / 1987 م، ج3، ص59
40۔ الشنقیطی، محمد امین بن محمد، اضواء البیان بایضاح القرآن بالقرآن، دار عالم الفوائد، مکہ مکرمہ، 1426، ج1، ص8